علّامہ اقبال کے دو شعروں کی تشریح

از : ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ

به پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ ﷺ ما را
حسابِ من ز چشمِ اُو نہاں گیر

مندرجہ بالا اشعار "ارمغانِ حجاز" سے لئے گئے ہیں۔ "ارمغان حجاز" کی پہلی اشاعت ۱۹۳۸ء میں ہوئی تھی یعنی حضرت علامہ کی زندگی کے آخری سال۔ "ارمغانِ حجاز" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے وہ تحفہ ہے جو علامہ نے رسول مقبول ﷺ سے حاصل کیا۔ یوں تو علامہ اقبال کی ساری زندگی عشقِ رسول ﷺ سے معمور تھی لیکن جوں جوں زندگی کے دن گزرتے گئے اقبال کی نبی اکرم ﷺ سے والہانہ محبت اور الفت بڑھتی گئی' یہاں تک کہ آخری عمر میں جب ان کی مجلس میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر آتا یا مدینہ منورہ ہی کا تذکرہ ہوتا تو وہ بے قرار ہو جاتے' آنکھیں نم ناک ہو جاتیں' یہاں تک کہ آنسو رواں ہو جاتے۔

علامہ اقبال ۱۵ جنوری ۱۹۳۷ء کو سر سید راس مسعود کو لکھتے ہیں :

"میری صحت دن بدن ترقی کر رہی ہے۔ آواز میں بھی فرق آ رہا ہے۔ ان شاءاللہ دربارِ رسالت میں جو کچھ میں نے عرض کیا ہے' قبول ہو گا۔ امسال دربارِ حضور ﷺ میں حاضری کا قصد تھا مگر بعض موانع پیش آ گئے۔ ان شاءاللہ امید ہے کہ سال (آئندہ) حج بھی کروں گا اور دربارِ رسالت میں بھی حاضری دوں گا اور وہاں سے ایک ایسا تحفہ لاؤں گا کہ مسلمانانِ ہند یاد کریں گے"۔ (۱)

علامہ اقبال خود تو حجاز نہ جا سکے لیکن محبت اور شوق کے زور سے جو تحفہ سرکارِ دو عالم ﷺ سے وصول کیا اس کا نام "ارمغانِ حجاز" رکھ گئے۔ مکاتیب اقبال (۲) سے معلوم

© rasailojaraid

ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے اسی مفہوم کی ایک اور رباعی لکھی تھی جو پروفیسر محمد رمضان عطائی نے آپ سے مانگ لی تھی۔ پروفیسر محمد رمضان میانوالی سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے نام جو جواب علامہ اقبال نے پوسٹ کارڈ پر تحریر کیا تھا وہ مکاتیب میں ملتا ہے۔ وہ رباعی تو بہت ہی مشہور اور زبان زدِ عام ہے لیکن علامہ اقبال نے چونکہ انہیں دے دی تھی اس لئے اپنے کلام میں درج نہیں کی۔ وہ رباعی یہ ہے۔

تو غنی از ہر دو عالم مَن فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ پنہاں بگیر

© rasailojaraid.com

علامہ اقبال کے ان اشعار کا تعلق PERSONAL ELEMENT سے ہے، جس کا مطلب ہے کہ وہ اشعار جس سے شاعر کے ذاتی حالات یا اکتسابِ فیض کا پتہ چلے۔ یہ اصطلاح انگریزی میں رائج تھی اور علامہ اقبال نے اس کا ترجمہ "شخصی عنصر" وضع فرمایا تھا۔ اپنے ایک مکتوب مورخہ ۱۹/جنوری ۱۹۱۵ء میں لکھتے ہیں :

> "شخصی عنصر سے مراد وہ اشعار ہیں جن میں مصنف کے ذاتی حالات و اکتسابِ فیض کا اشارہ یا ذکر ہے۔ میں نے یہ لفظ خود ہی وضع کیا تھا۔ اردو زبان میں مروج نہیں ہے۔ انگریزی میں اس مطلب کو اصطلاح "PERSONAL ELEMENT" سے واضح کرتے ہیں" (۳)

عشقِ رسولِ مقبول ﷺ اور قرآن مجید ہی سے علامہ اقبال کے شخصی عناصر کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل بہت سارے اقوال و احوال سے ہوتی ہے جو درجنوں کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اسی پر ایک مدلل مضمون مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے نقوشِ اقبال میں "اقبال کی شخصیت کے تخلیقی عناصر" کے نام سے پیش کیا۔ اور ایک فکر انگیز تحریر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی بھی "علامہ اقبال اور ہم" کے عنوان سے موجود ہے۔ یہاں پر قرآن مجید کے ضمن میں صرف دو واقعات مولانا سید سلیمان ندوی کی زبانی سنئے۔

© rasailojaraid.com

سفر کابل کی واپسی میں قندھار کا ریگستانی علاقہ طے ہو چکا تھا اور سندھ و بلوچستان کے پہاڑوں پر ہماری موٹریں دوڑ رہی تھیں۔ شام کا وقت تھا۔ ہم دونوں ایک ہی موٹر میں بیٹھے تھے۔ روحانیت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اربابِ دل کا تذکرہ تھا کہ موصوف نے بڑے تأثر کے ساتھ اپنی زندگی کے دو واقعے بیان کئے۔ میرے خیال میں یہ دونوں واقعے ان کی زندگی کے سارے کارناموں کی اصل بنیاد تھے۔

فرمایا: جب میں سیالکوٹ میں پڑھتا تھا تو صبح اٹھ کر روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا تھا۔ والد مرحوم اپنے اوراد و وظائف سے فرصت پا کر آتے اور مجھے دیکھ کر گزر جاتے۔ ایک دن صبح کو وہ میرے پاس سے گزرے تو مسکرا کر فرمایا کہ کبھی فرصت ملی تو میں تم کو ایک بات بتاؤں گا۔ میں نے دو چار دفعہ بتانے کا تقاضا کیا تو فرمایا: جب امتحان دے لو گے۔ جب امتحان دے چکا اور لاہور سے گھر آیا تو فرمایا: جب پاس ہو جاؤ گے۔ جب پاس ہو گیا اور پوچھا تو فرمایا بتاؤں گا۔ ایک دن صبح حسب دستور قرآن کی تلاوت کر رہا تھا تو وہ میرے پاس آ گئے اور فرمایا: بیٹا کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ قرآن تم پر ہی اتر رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے تھے کہ ان کا یہ فقرہ میرے دل میں اتر گیا اور اس کی لذت دل میں ابتک محسوس کرتا ہوں۔ یہ تھا وہ تخم جو اقبال کے دل میں بویا گیا اور جس کی تناور شاخیں پہنائے عالم میں ان کے موزوں نالوں کی شکل میں پھیلی ہیں۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ باپ نے ایک دن بیٹے سے کہا کہ میں نے تمہارے پڑھانے میں جو محنت کی ہے تم سے اس کا معاوضہ چاہتا ہوں۔ لائق بیٹے نے بڑے شوق سے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ باپ نے کہا: کسی موقع پر بتاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ میری محنت کا معاوضہ یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت کرنا۔ بات ختم ہو گئی۔ ڈاکٹر اقبال کہتے تھے کہ اس کے بعد میں نے لاہور میں کام شروع کیا۔ ساتھ ہی میری شاعری کا چرچا ہوا اور نوجوانوں نے اس کو اسلام کا ترانہ بنایا۔ لوگوں نے نظموں کو ذوق و شوق سے پڑھا اور سنا اور سامعین میں ولولہ پیدا ہونے لگا۔ انہی دنوں میرے والد مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ میں ان کو دیکھنے کے لئے لاہور سے آیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ والد بزرگوار آپ

© rasailojaraid.com

سے جو میں نے اسلام کی خدمت کا عہد کیا تھا وہ پورا کیا یا نہیں۔ باپ نے بستر مرگ پر شہادت دی کہ جان من تم نے میری محنت کا معاوضہ ادا کر دیا۔

کون انکار کر سکتا ہے کہ اقبال نے ساری عمر جو پیغام ہم کو سنایا وہ انہی دو متنوں کی شرح تھی۔ حضورِ انور ﷺ سے علامہ اقبال کے عشق کی تفصیل کے لئے الگ کتاب کی ضرورت ہے' مگر علامہ اقبال کا ایک بچپن کا واقعہ (۴) اس پر روشنی ڈالتا ہے کہ اس محبت کا بیج بھی ان کے والد نے کس طرح ان کے دل میں بویا تھا۔ "روز گارِ فقیر" جلد دوم صفحہ ۱۵۲ پر "گدائے دردمند" کے عنوان سے تحریر ہے :

> "مثنوی رموزِ بے خودی میں علامہ اقبال نے اپنے لڑکپن کا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک سائل بھیک مانگتا ہوا اور صدا لگاتا ہوا ان کے دروازے پر آیا۔ یہ گدائے مبرم یعنی اڑیل فقیر تھا۔ دروازے سے ٹلنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ اس کے بار بار چیخ کر صدا لگانے پر علامہ اقبال نے طیش میں آکر اسے مارا اور اس مار پیٹ میں فقیر کی جھولی میں جو کچھ تھا وہ زمین پر گر گیا۔ علامہ اقبال کے والد اس حرکت پر بہت آزردہ اور کبیدہ خاطر ہوئے اور دل گرفتہ ہو کر بیٹے سے کہا کہ قیامت کے دن جب خیر الرسل ﷺ کی امت سرکار کے حضور جمع ہوگی تو یہ گدائے دردمند تمہارے اس برتاؤ کے خلاف حضور رسالت مآب سے فریاد کرے گا"۔(۵)

سائلے مثلِ قضائے مبرمے | بر درِ ما زد صدائے پیہمے
از غضب چوبے شکستم بر سرش | حاصلِ دریوزہ افتاد از برش
عقل در آغازِ ایامِ شباب | می نیندیشد صواب و ناصواب
از مزاجِ من پدر آزردہ گشت | لالہ زارِ چہرہ اش افسردہ گشت
بر لبش آہے جگر تابے رسید | درمیانِ سینۂ اُو دل تپید
کوکبے در چشمِ او گردید و ریخت | بر سرِ مژگاں دمے تابید و ریخت
ہمچو آں مرغے کہ در فصلِ خزاں | لرزد از بادِ سحر در آشیاں
در تنم لرزید جانِ غافلم | رفت لیلائے شکیب از محملم
گفت فردا امتِ خیر الرسل ﷺ | جمع گردد پیشِ آں مولائے کُل

© rasailojaraid.

غازیانِ ملّتِ بیضائے اُو　　حافظانِ حکمتِ رعنائے او
ہم شہیدانے کہ دیں راحجت اند　　مثلِ انجم در فضائے ملّت اند
زاہدان و عاشقانِ دل فگار　　عالمان و عاصیانِ شرمسار
درمیانِ انجمن گردد بلند　　نالہ ہائے ایں گدائے دردمند
اے صراطت مشکل از بے مرکبی　　من چہ گویم چوں مرا پرسد نبی ﷺ

"حق جوانے مسلمے با تو سپرد
کو نصیبے از دبستانم نبرد
از تو ایں یک کارِ آساں ہم نشد
یعنی آں انبارِ گِل آدم نشد"

در ملامت نرم گفتار آں کریم　　من رہینِ خجلت و امید و بیم
اندکے اندیش و یاد آر اے پسر　　اجتماعِ امّتِ خیر البشر ﷺ
باز ایں ریشِ سفیدِ من نگر　　لرزۂ بیم و امیدِ من نگر
بر پدر ایں جورِ نازیبا مکن　　پیشِ مولا بندہ را رسوا مکن

اشعار کا مفہوم : "ایک سائل محکم قضا کی طرح ہمارے دروازے پر صدا لگا رہا تھا۔ میں نے غصہ میں اس کے سر پر لکڑی دے ماری جس سے اس کی دن بھر کی کمائی گر پڑی۔ عقل آغاز شباب میں صواب اور ناصواب کو نہیں دیکھتی۔ میرے اس مزاج سے والد بزرگوار آزردہ ہو گئے اور ان کا چہرہ افسردہ ہو گیا۔ زبان سے آہ جگر تک گئی اور دل کو تڑپا گئی۔ آنکھوں میں آنسو آئے اور پلکوں سے رواں ہو گئے۔ اس مرغ کی طرح جو فصل خزاں میں صبح صبح ہی آشیانے میں لرزتا ہے' والد صاحب کہنے لگے کہ کل اُس خیرالرسل ﷺ کی امت اللہ کے ہاں جمع ہو گی۔ غازی جو اس ملت کا چمکتا چاند ہیں اور شہید جو کہ ملت کے ستاروں کی طرح ہیں' زاہد بھی ہوں گے' عاشق بھی ہوں گے' عالم اور شرمسار گنہگار بھی ہوں گے۔ اس گروہ میں جب یہ فقیر فریاد کرے گا تو میں حضورِ مقبول ﷺ کو کیا جواب دوں گا جب کہ وہ پوچھیں گے کہ حق تعالیٰ نے یہ نوجوان تمہارے سپرد کیا تھا' تم سے یہ بھی نہ ہو سکا کہ اس مٹی کے انبار کو انسان بنا دیتے۔ اے میرے بیٹے میری سفید داڑھی

© rasailojaraid
© rasailojaraid

پر رحم کھا اور اس باپ پر اتنا ظلم نہ کر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مجھے رسوا نہ کر۔" (۶)

یہ شاعرانہ بیان یا خیالی حکایت نہیں ہے' بلکہ ایک سچا واقعہ ہے۔ علامہ کے والد کو اپنے بیٹے کی تربیت کا بڑا خیال تھا۔ وہ کسی بات پر ٹوکتے یا اس کے کرنے سے منع فرماتے تو اکثر و بیشتر قرآن حکیم یا اسوۂ رسول ﷺ کے حوالے سے پند و نصیحت فرماتے۔

علامہ اقبال اپنے والد بزرگوار کے اس احسان کو بھی یاد کرتے ہیں۔

از پدر تا نامِ تو آموختم آتش ایں آرزو افروختم (۷)

آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ محبت کا وہ بیج جو بچپن میں بویا گیا تھا اب تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ علامہ اقبال اللہ تعالیٰ سے گزارش کرتے ہیں کہ یہ عالم فنا ہونے والا ہے اور ہر انسان کی کمائی اس کے سامنے لائی جائے گی' مگر ایک احسان مجھ پر یہ فرما دیجئے کہ میرا حساب حضور انام ﷺ کی نگاہ سے پنہاں فرما دیجئے۔

حوالہ جات

(۱) مکاتیب اقبال' علامہ اقبال اکیڈمی' ص ۳۸۱

(۲) مکاتیب اقبال' علامہ اقبال اکیڈمی' ص ۳۳۸

(۳) رسالہ ''صحیفہ'' لاہور' اکتوبر ۱۹۷۳ء' ص ۱۳۷

(۴) اقبال کے پیغام کا متن اور شرح رسالہ ''جوہر'' کا اقبال نمبر دسمبر ۱۹۳۸ء' ص ۱۹ تا ۲۱

(۵) روزگار فقیر جلد دوم عنوان ''گدائے دردمند'' ص ۱۵۲

(۶) رموز بے خودی کلیات اقبال فارسی' ص ۱۳۰

(۷) اسرار و رموز' کلیات اقبال فارسی' ص ۱۶۸

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

© rasailojaraid.c